امام شافعیؒ کا منہج استنباط اور اجتہادی اصول

ڈاکٹر سلیم الرحمٰن ☆ ڈاکٹر محمد ریاض خان الازہری ☆☆

قرآن وسنت اور ان سے مستفاد اصولوں کی روشنی میں فقہی مسائل کے استنباط اور استخراج کا سلسلہ تابعین بلکہ صحابہؓ کے زمانے سے جاری تھا لیکن اس سلسلے کو کوئی باقاعدہ علمی شکل نہیں دی گئی تھی۔ جس طرح اہلِ زبان کسی عبارت سے کسی نتیجہ یا حکم کا استنباط محض وجدان یا ذوق لسانی کی بنیاد پر کرتے ہیں اور انھیں معلوم نہیں ہوتا کہ ان کا استنباط کس قاعدہ یا اصول کے تحت ہے اور اس کی کیا قیود وشرائط ہیں، فقہی احکام بھی اسی طرح معلوم کیے جاتے تھے، اس کے لئے علمی اصطلاحات وضع ہوئی تھیں اور نہ اصول وضوابط کو منضبط کیا گیا تھا۔

قرآن وسنت دونوں عربی لغت میں ہیں۔ صحابہ کرامؓ کی زبان بھی عربی تھی۔ انہیں زبان پر ملکہ حاصل تھا۔ نزول قرآن کا زمانہ بھی پایا اور اس کے اسالیب بیان کو صاحب وحی کی سیرت وتعلیمات کی روشنی میں سیکھا اور سمجھا، قرآن حکیم کی ہر آیت کے سبب نزول اور مقام نزول تک سے واقف تھے۔ سند حدیث پر بھی غور وفکر کی انہیں چنداں ضرورت نہ تھی اس لیے کہ راویانِ حدیث یہ خود یا ان کے ہم عصر تھے اور یا قریب العصر تھے۔ وہ ان کے احوال سے بخوبی واقف تھے اس طرح وہ وہبی ذہانت کے ساتھ صحبت نبوی کی وجہ سے سلامتی فکر اور طہارت باطنی کے حامل اور اسرار شریعت کے امین تھے۔ الغرض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآنی نصوص اور ارشادات نبوی ﷺ کی تصریحات اور تلمیحات سمجھنے کا طبعی سلیقہ اور فطری ملکہ رکھتے تھے اس لیے ان حضرات کو کسی مسئلے کے سمجھنے میں زیادہ دقت محسوس نہیں ہوتی تھی، اور قرآن وسنت سے استفادۂ معانی اور استخراج احکام میں انہیں لغت یا کسی اصول یا قاعدے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ ان کے فتاوی صرف مسائل واقعیہ تک محدود تھے ان میں اقامت دلیل وبرہان طرز کی عملی ملمع سازی نہیں ہوتی تھی۔

چنانچہ صحابہ کرامؓ ان مصادر کو ان کے اصطلاحی ناموں اور عنوان کی تعبیر کے بغیر پیش آمدہ مسائل میں بروئے کار لاتے:

☆ اسسٹنٹ پروفیسر ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک تھیالوجی، اسلامیہ کالج پشاور خیبر پختونخوا

☆☆ اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ ومطالعہ مذاہب ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ خیبر پختونخوا

”لم يكن الصحابة والتابعون مهتمون بالعناوين والمصطلحات التي ظهرت بعدهم مثال الرأى والقياس والأستحسان ولكنهم في آرائهم وفتاويهم وأقضيتهم كانوا يفزعون بلا ريب إلى الاجتهاد الذى أذن فيه الرسول ﷺ وذلك عند ما لا يجدون في الحادثة نصاً من كتاب الله أو سنة رسول الله ﷺ“(۱)۔

صحابہ کرامؓ اور تابعین کے دور میں نہ تو کسی عنوان کا اہتمام کیا جاتا تھا اور نہ ہی ایسی فنی اصطلاحات وضع کی گئیں تھیں، جو بعد میں منظر عام پر آئیں مثلاً رائے، قیاس واستحسان وغیرہ۔ اس کی بجائے ہر ایسے معاملے میں کہ جس میں کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ سے کوئی نص دستیاب نہ ہوتی تو بغیر کسی تردد کے وہ اپنی آراء، فتاوی اور فیصلوں کے معاملہ میں اجتہاد کی طرف رجوع فرماتے تھے جس کی اجازت انہیں بارگاہ نبوی ہی سے مرحمت ہوئی تھی۔

یہ بات مسلمہ ہے کہ صحابہ کرام کو استخراج احکام میں گوکہ لغوی اور علمی قواعد کی چنداں ضرورت نہ تھی تاہم ان کے طریقہ کار سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ وہ بھی استنباط احکام میں کچھ اصول ضرور سامنے رکھتے تھے اگر چہ یہ اصول وقواعد لفظی جامہ میں منظر عام پر نہیں آئے تھے بلکہ ان کے فکری ملکہ اور سلامتی طبع کا نتیجہ ہوتے تھے۔ ابوزہرہ لکھتے ہیں:

”كان الفقهاء من بينهم كابن مسعود وعلى ابن ابى طالب وعمر بن الخطاب ما كانوا يقولون اقوالهم من غير قيد ولا ضابطة فاذا سمع السامع على ابن ابى طالب يقول في عقوبة الشارب إنه إذا شرب هذى، واذا هذى قذف(۲) فيجب حد القذف يجد ذالك الامام الجليل ينهج منهاج الحكم بالمآل“(۳)۔

صحابہ کرامؓ میں سے فقہاء مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ کے اقوال، حدود وقیود اور ضوابط واصول سے خالی بھی نہ ہوتے تھے، مثلاً حضرت علیؓ نے شرابی پر حد خمر جاری کرنے کا فتوی دیا۔ اس میں آپ کا طرز استدلال یہ تھا کہ جب شراب پیئے گا تو ہذیان بکے گا اور جب ہذیان بکے گا تو زنا کی تہمت لگائے گا جب تہمت لگائے گا تو حد قذف واجب ہو جائے گی۔ اس سے معلوم ہوا، آپ جیسے جلیل القدر امام نے استنباط احکام کے سلسلے میں حکم بالمآل کے اعتبار کرنے کا منہج طے فرمایا ہے۔

صحابہ کرامؓ کے فقہی استدلالات کی ایسی بہت سی مثالیں تفسیر، حدیث اور فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عموی اصول وضوابط جو بہت بعد میں اپنی موجودہ عبارتوں میں مرتب ہوئے اپنی ابتدائی اور مجرد شکل میں صحابہ کرام کے سامنے تھے لیکن پھر بھی صراحۃً اصول بیان کئے بغیر اپنی خداداد صلاحیت کی بنیاد پر ان اصول کا اطلاق

واستعمال کرتے تھے اوران کا اجتہاد ان اصول وقواعد کی روشنی میں ہوا کرتا تھا (۴)۔

خلفائے راشدین کے دور میں تعلیم وتربیت ، قضا وافتا اور دیگر دینی امور کی تکمیل کے لئے صحابہ کرام مختلف علاقوں میں پھیل گئے۔ حضرات صحابہؓ جہاں بھی جا کر مقیم ہوتے۔ تو بندگان خدا تعلیم وتعلم اور احکام ومسائل کے سلسلے میں ان کی طرف رجوع کرتے اوران حضرات سے قرآن وسنت اور فتاوی حاصل کرکے محفوظ کرتے۔ اور ہر علاقے کے لوگ اپنے شہر میں مقیم صحابہ کرامؓ کی روایات ، احادیث اور فتاوی کے ساتھ منسلک ہوگئے اور صحابہ کرام کے شاگردوں نے اخذ واستفادہ کی طرح استنباط اورافادہ میں اپنے اساتذہ کا راستہ اور منہج اختیار کرلیا۔ اس طرح صحابہ کرامؓ کے اسلوب اجتہاد اور استدلال کوتابعین نے آگے بڑھایا۔ صغار تابعین کے زمانے میں واقعات ومسائل کے تنوع کی بنا پر اجتہاد میں وسعت ناگزیر تھی۔

چنانچہ استنباط احکام اوراستخراج مسائل کے اصولوں کا دائرہ وسیع تر ہو گیا۔ تابعین کے بعد ائمہ مجتہدین کے زمانے میں استنباط کے مناہج اوراجتہاد کے اصول اور بھی زیادہ واضح ہوگئے۔ فقہاء کرام واضح اور صریح عبارتوں میں ان اصولوں کی نشاندھی کرنے لگے۔

اس علمی سلسلے کو مستقل فن کی حیثیت سے مرتب کرنے کے لئے استنباط اوراستخراج احکام کے اصول وقواعد وضع کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ امام شافعی کی دینی خدمات میں سب سے اہم اور قابل داد کارنامہ انہی اصولوں کی تدوین ہے جن کی بدولت اس علمی سلسلے نے مستقل فن کی صورت اختیار کی اور آپ ہی اس فن کے مدون قرار پائے۔ آپ کا مخصوص منہج قائم ہوا اور دوسرے بڑے فقہی مذہب کے متبوع امام بنے۔

امام شافعی کی حیات وخدمات پر ایک نظر:

آپ کا اصل نام محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع ہے۔ عبد مناف پر جا کر آپ کا سلسلہ نسب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ ائمہ اربعہ میں فقط آپ کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ قریشی النسب ہے۔ شافع آپ کے جداعلیٰ تھے انھیں کی طرف نسبت کی وجہ سے "شافعی" کے نام سے مشہور ہوئے ۱۵۰ھ میں صوبہ عسقلان میں بمقام غزہ پیدا ہوئے (۵)۔

امام شافعی دو برس کے تھے کہ ان کی والدہ ام الحسن بنت حمزہ بن القاسم بن یزید بن امام حسنؓ انھیں عسقلان سے وطن حجاز لے آئی۔ والدہ کا تعلق یمن کے قبیلہ ازد سے تھا۔ وہیں اپنے بیٹے سمیت رہائش اختیار کرلی۔ امام شافعی کا گھرانہ فقر وفاقہ میں تھا۔ لیکن والدہ کی مساعی جمیلہ سے سات برس کی عمر میں حفظ قرآن اور دس برس کی عمر میں "موطا" کو حفظ کرلیا (٦)۔

تنگدستی کے باوجود آپ نے تحصیل علم کا سلسلہ جاری رکھا۔ چنانچہ حصول علم کے لئے آپ جو انتظام کرتے تھے

اس کے بارے میں خود فرماتے ہیں

”لم يكن لي مال وكنت أطلب العلم في الحداثة وكنت أذهب إلى الديوان أستوهب الظهور فأكتب فيها“ (۷)۔

میرے پاس وسائل کی کمی تھی اور ابتدائی عمر میں علم کے حصول میں لگ گیا۔ دفتر مال جاتا اور بلاعوض چمڑے وغیرہ حاصل کرتا اور انہیں لکھتا رہا۔

زمانے کے دستور کے مطابق فصاحت و بلاغت کے حصول کے لئے باہر بدوی قبائل میں بچوں کو بھیجا جاتا تھا۔ امام شافعی کو قبیلہ ھذیل (۸) بھیجا گیا۔ حضرت امام نے اس قبیلہ میں تقریبا سات سال گزارے۔ یہاں رہ کر آپ نے مختلف علوم وفنون کی تکمیل کی۔ تیر اندازی، فن لغت، فن تاریخ، علم الانساب، عروض اور فراست میں اس قدر کمال پیدا کیا کہ میدان عرب نے آپ کو ماہر فن تسلیم کیا (۹) واپس مکہ آکر اخبار العرب، ایام العرب، شعر وشاعری اور ادب کے دوسرے اصناف میں ہر طرف آپ کا چرچا ہونے لگا۔ کسی آدمی کے متوجہ کرنے پر آپ فقہ کی طرف مائل ہو گئے۔ آپ خود فرماتے ہیں۔

”فلما رجعت إلى مكة، جعلت أنشد الأشعار وأذكر الاداب والأخبار وأيام العرب فمر بی رجل من الزبيريين من بني عمي، فقال لي: يا أبا عبد الله عز علی ألايكون مع هذه اللغة وهذه الفصاحة والذكاء فقه فتكون قد سدت أهل زمانک. قلت: فمن بقی نقصده، فقال لي: مالک بن أنس سيد المسلمين يومئذ فوقع فی قلبی“ (۱۰)۔

ھذیل میں سات سال گذارنے کے بعد جب مکہ لوٹ آیا تو اشعار پڑھنے لگا اور اخبار اور ایام العرب کا تذکرہ کرنے لگا تو قبیلہ کے کسی آدمی نے کہا۔ کہ اے ابوعبداللہ! ہمارے لئے یہ بات باعث اذیت ہے کہ زبان پر دسترس، فصاحت میں مہارت اور ذہانت کے ہوتے ہوئے فقاہت موجود نہیں۔ جس کے ذریعہ آپ اپنے معاصرین کے سردار بن پاتے۔ تو میں نے کہا کوئی ہے جس کا ہم (استفادہ فقہ کی غرض سے) قصد کریں۔ تو اس نے کہا: مالک بن انس اس وقت کے مسلمانوں کے سردار۔ میرے دل پر اس بات نے اثر کیا۔

چنانچہ مکہ مکرمہ میں مسلم بن خالد زنجی (متوفی ۱۸۰ھ) (۱۱) اور سفیان بن عینیہ (متوفی ۱۹۸ھ) (۱۲) اور ان جیسے دیگر محدثین سے حدیث میں استفادہ کے بعد مدینہ منورہ چلے گئے۔ اور امام مالک سے پوری موطا ”قراءۃ“ پڑھی (۱۳)۔

امام مالک کی وفات یعنی ۱۷۹ھ تک ان ہی کے دامن تربیت سے وابستہ رہے پھر یمن و عراق کی طرف علمی اسفار کیے۔ اور یہاں کے اہل علم اور ائمہ حدیث وفقہ سے استفادہ کیا۔ ان کے علاوہ امام شام امام اوزاعی کے شاگرد عمرو بن ابی سلمہ (متوفی ۲۱۴ھ) (۱۴) اور امام مصر لیث بن سعد (متوفی ۱۷۵ھ) (۱۵) کے تلمیذ یحییٰ بن حسان (۱۶) کے

سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے۔ خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں کچھ عرصہ کے لئے نجران کے والی مقرر ہوئے لوگوں نے سادات کی طرفداری کا الزام لگایا، گرفتار ہو کر ۱۸۴ھ میں خلیفہ وقت ہارون الرشید کے پاس رقہ لائے گئے۔ لیکن خلیفہ ہارون الرشید کے حاجب فضل بن الربیع (م ۲۰۷ھ) کی سفارش سے نہ صرف رہائی پائی اور بلکہ اپنے عہدے پر بھی بحال کیے گئے۔ مگر زیادہ عرصہ تک وہاں نہ رہ سکے، ملازمت چھوڑ دی اور عراق چلے گئے (۱۷)۔

امام ابوحنیفہ کے تلمیذ خاص محمد بن الحسن الشیبانی کے یہاں آمد ورفت شروع کی اور مدرسہ الشام اور مدرسہ المصر سے استفادہ کے بعد امام محمد سے فقہ حنفی کے اصول وفروع میں کمال حاصل کیا۔ اس سلسلے میں آپ نے خود فرمایا:

"حملت عن محمد بن الحسن حمل بختي و مرة قال بعير ليس عليه الا سماعي منه" (۱۸)۔

میں نے امام محمد سے دو اونٹ کے بوجھ برابر علم کثیر سماع کر کے حاصل کیا۔

اسی طرح امام شافعی طریقہ علماء حدیث، طریقہ علماء حجاز بواسطہ امام مالک اور طریقہ علماء عراق بواسطہ امام محمد بن حسن تینوں کے جامع ہوئے۔ پھر مکہ واپس آئے اور وہاں آنے جانے والے علماء امصار سے تبادلہ خیال اور علمی استفادے کا مزید موقعہ ملا۔

چنانچہ مختلف علماء سے استفادے کی خاطر حجاز سے یمن، عراق، اور مصر میں بارہا اقامت پذیر ہوئے۔

حدیث وفقہ سمیت تمام مروجہ علوم میں سے ہر ایک میں امام شافعی نے اس قدر کمال حاصل کیا کہ ہر علم میں آپ کی مہارت تسلیم کی گئی۔ جس کا ثبوت معاصرین کے وہ اقوال ہیں جو آپ کے بارے میں کہے گئے۔ جن سے آپ کی جلالت علمی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ ابھی آپ کی عمر بیس سال بھی نہیں ہوئی تھی کہ آپ کے استاد مسلم بن خالد زنجی نے آپ کو مسند افتاء پر بیٹھنے کی اجازت دی اور کہا:

"یا أبا عبد الله أفت الناس آن لک والله أن تفتی وهو ابن دون العشرین سنة" (۱۹)۔

امام احمد بن حنبل نے کہا:

"الشافعي فیلسوف فی أربعة أشیاء فی اللغة، واختلاف الناس والمعانی والفقه" (۲۰)۔

امام شافعی چار علوم لغت، اختلاف الناس، معانی اور فقہ میں نامور عالم تھے۔ امام شافعی مسند تدریس پر رونق افروز ہونے کے بعد جہاں بھی گئے علمی قابلیت اور جاذب شخصیت کی وجہ سے مرجع خلائق بنے رہے اور خلق کثیر نے آپ سے استفادہ کیا۔ آپ کی سوانح سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے زیادہ تر تین جگہوں مکہ، عراق اور مصر میں سکونت اختیار کی جب کہ عمر کا کچھ حصہ یمن میں بسر کیا۔ ان تمام مقامات پر آپ کا علمی حلقہ قائم ہوتا رہا۔ مکہ میں جب آپ نوجوان تھے حرم میں آپ کا حلقہ درس شروع ہوا۔ تو آہستہ آہستہ سفیان بن عیینہ کے حلقہ درس تک دراز ہوا۔ پھر بعض مسائل میں استاد بھی آپ کی کی طرف رجوع کرنے لگے (۲۱)۔ اور یوں آپ کا حلقہ درس سب سے بڑا حلقہ بنا۔ آپ کے استاد مسلم بن خالد

زنجی نے آپ کو بیس سال سے کم عمر میں مسند افتاء پر بیٹھنے کی اجازت دی (۲۲) اس سلسلے میں ایک قول نقل کیا گیا ہے:

"وقفت بمكة على حلقة عظيمة و فيها رجل فسألت عنه : فقيل هذا محمد بن ادريس الشافعي" (۲۳)

مکہ مکرمہ میں قیام کے بعد غالباً ۱۹۵ھ میں جب امام شافعی بغداد تشریف لے گئے تو آپ کی آمد سے پہلے محدث عراق عبدالرحمٰن بن مہدی (متوفی ۱۹۸ھ) (۲۴) کے ذریعے اہل عراق آپ کی شہرت سن چکے تھے۔ نیز امام احمد بن حنبل کے ذریعہ بھی آپ کی یہاں شہرت ہو چکی تھی کیونکہ آپ مکہ میں امام شافعی کا علمی حلقہ دیکھ چکے تھے۔ بغداد میں بھی امام شافعی نے درس و تدریس کا حلقہ لگایا جو انتہائی سرعت کیساتھ جامع عراق میں سب سے بڑا حلقہ بنا۔ خطیب بغدادی (متوفی ۴۶۳ھ) کہتے ہیں:

" لما قدم الشافعي إلى بغداد كان في الجامع نيف وأربعون أوخمسون حلقة فلما دخل بغداد و ما زال يقعد في حلقة حلقة ويقول لهم: قال الله وقال الرسول، وهم يقولون: قال أصحابناحتى مابقى في المسجد حلقة غيره"(۲۵)۔

امام شافعی جس وقت بغداد آئے تو جامع عراق میں چالیس یا پچاس کے اوپر حلقات درس قائم تھے۔ عراق آمد کے بعد آپ مسلسل ہر حلقہ میں جا کر اُن سے کہتے اللہ تعالیٰ نے یہ کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں کہا۔ جب کہ وہ حضرات یوں کہتے کہ ہمارے مشائخ نے یوں کہا۔ یہاں تک کہ جامع عراق میں آپ کے حلقہ کے علاوہ کوئی حلقہ باقی نہ رہا۔ یہاں آپ کو ناصر الحدیث کے شایان شان لقب سے نوازا گیا۔

بغداد میں قیام کے دوران امام شافعی نے اہل عراق میں اپنا طریق اجتہاد اور منہج استنباط متعارف کرایا جو اہل الرائے سے مختلف تھا۔ باشندگان عراق کی بڑی تعداد نے اس مذہب کو اختیار کیا اور اہل الرائے کے مذہب کو ترک کیا اور یہی امام شافعی کا مذہب قدیم یا عراقی مذہب کہلاتا ہے۔ اس دوران آپ نے اپنی "کتاب الحجۃ" مرتب کی اور عراق کے تلامذہ کبار نے اس کی روایت کی۔ عراق میں دو سال گزارنے کے بعد آپ پھر حجاز واپس ہوئے (۲۶)۔

۱۹۸ھ میں پھر عراق آئے اور چند مہینے قیام کے بعد مصر کا قصد کیا۔ مصر میں مالکی فقیہ عبد اللہ بن عبدالحکم (متوفی ۲۱۴ھ) (۲۷) کے پاس قیام کیا (۲۸) مکہ اور عراق کی طرح یہاں بھی آپ کا علمی حلقہ قائم ہوا۔ لیکن سابقہ حلقات سے یہ حلقہ مختلف نوعیت کا تھا۔ مکہ اور عراق میں آپ کا تعلیمی حلقہ روایات اور فقہی مباحث پر مشتمل ہوتا تھا جب کہ مصری حلقہ درس میں متنوع علوم زیر بحث آتے خطیب بغدادی کہتے ہیں:

"كما كان للشافعي حلقة في المسجد الحرام بمكة وثانية بالجامع الكبير في بغداد فقدصارت له حلقة أكبر و أرحب في جامع عمر وبالفسطاط ولكنها حلقة متعددة العلوم ومتنوعة الفروع ذالک أنه مايكا ديفرغ من صلاة الصبح حتىٰ يجيئه أهل

القرآن فيسألونه فإذا طلعت الشمس أقاموا وجاء أهل الحديث فيسألونه عن معانيه وتفسيره فاذا ارتفعت الشمس قاموا واستوت الحلقة للمناظرة و المذاكرة فاذا ارتفع النهار تفرقوا و جاء أهل العربية والعروض والشعر والنحو حتى يقرب انتصاف النهار ثم ينصرف إلى منزله"(٢٩)۔

اہل مصر آپ پر ٹوٹ کر گرے۔ ہر طرف آپ کی شہرت کا ڈھنکا بجا۔ یمن، عراق اور دور دراز سے لوگوں نے آپ کا رخ کیا۔

آپ کے شاگرد ربیع بن سلیمان (متوفی ۲۵۶ھ) کہتے ہیں:

"والله لقد فشت في الناس شهرته كما فشا ذكر علي بن أبي طالب"(٣٠)۔

مصر آمد کے بعد آپ نے یہاں کے اجتماعی، معاشرتی اور اقتصادی حالات عراق اور حجاز سے مختلف پائے یہاں کے علماء کیساتھ بحث ومباحثہ اور ان سے افادہ واستفادہ ہوا۔ اپنی آراء کا تنقیدی جائزہ لیا اور انجام کار بعض قدیم اقوال سے رجوع کیا اور یوں بہت سارے مسائل میں آپ کی رائے کے اندر تبدیلی آئی اور ان کو ,,کتاب الام،، میں مدون کیا اور اس کا نام مذہب جدید رکھا(۳۱)۔

ان گونا گوں مشاغل نے آپ کی صحت پر شدید اثر کیا اور ۲۰۴ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا اور فسطاط کے مقام پر مدفون ہوئے۔

امام شافعی کا منہج استنباط:

امام شافعی کو اصحاب حدیث اور صحاب الرائے کے طریقہ اجتہاد کا جامع سمجھا جاتا ہے، تاریخی لحاظ سے ائمہ اربعہ میں امام شافعی تیسرے نمبر پر آتے ہیں۔ آپ سے پہلے دو ائمہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے فقہی مذاہب وجود میں آئے تھے۔ اول الذکر مدرسۃ الرائے کے علمبردار اور فقہاء عراق کے زعیم مانے جاتے تھے۔ جب کہ مؤخر الذکر مدرسۃ الحدیث کے سرخیل اور علماء حجاز کے رئیس تسلیم کیے گئے۔ امام شافعی نے اہل حدیث اور اہل الرائے دونوں کے علوم کو جمع کیا۔ فقہ امام مالک اور فقہ امام ابوحنیفہ سے آگاہی حاصل کی۔ مشہور مورخ ابن خلدون (متوفی ۸۰۸ھ) کہتے ہیں کہ امام شافعی ، امام مالک سے بلاواسطہ تحصیل علم کے بعد عراق گئے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ (بالخصوص امام محمد بن حسن الشیبانی) سے ملے اور اُن سے مزید علم حاصل کیا پھر اہل حجاز اور اہل عراق کے مسالک کو باہم ملا کر ایک نئے فقہی مسلک کی بنیاد رکھی اور اپنے مذہب میں بہت سے مسائل میں اپنے استاد امام مالک سے اختلاف کیا(۳۲)۔

ابن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

" انتهت رياسة الفقه بالمدينة الى مالك بن انس رحل اليه واخذ منه و انتهت

ریاسة الفقه بالعراق الی امام ابی حنیفه فاخذ عن صاحبه محمد بن الحسن حملا لیس فیه شی الا وقد سمعه علیه فاجتمع له علم اهل الرای وعلم اهل الحدیث فتصرف ذالک حتی اصل الاصول و قعد القواعد واذعن له الموافق والمخالف واشتهر امره وعلاذکره وارتفع قدره حتی صارمنه ما صار،،(۳۳)۔

مدینہ کی ریاست فقہ امام مالک بن انس پر ختم ہوتی تھی ان کی خدمت میں رہ کر اکتساب فیض کیا۔عراق کی ریاست فقہ امام ابوحنیفہ پر ختم ہوتی تھی،ان کے شاگرد محمد بن الحسن سے ان کی مکمل فقہ سیکھی۔اس طرح اہل الرائے اور اہل الحدیث دونوں کا علم مجتمع ہوگیا پھر آپ نے اس علم کی روشنی میں اپنے اصول وقواعد وضع کیے،موافق ومخالف آپ کے فضیلت علمی کے معترف ہوئے۔آپ کو شہرت وقدر ومنزلت حاصل ہوگئی اور آپ کیا سے کیا ہوگئے۔

امام شافعی تمام علوم وفنون بالخصوص فقہ،لغت اور حدیث وآثار کے تبحر عالم تھے اور عملی تجربہ بھی رکھتے تھے،فصیح البیان اور دقیق الفکر تھے۔استنباط مسائل اور معانی وعلل کی بحث وتمحیص میں کامل مہارت رکھتے تھے۔انہی خصوصیات کی بنا پر آپ میں بجا طور پر مدرسۃ الرائے اور مدرسۃ الحدیث کے مناہج کو متحد کرنے کی پوری صلاحیت موجود تھی۔چنانچہ آپ نے قرآن وسنت اور فقہ اسلامی کے صحیح تناظر میں ہر دو مذاہب سے اخذ کیا اس طرح آپ کے فقہی مذہب میں دونوں سابقہ مذاہب کا اشتراک اور امتزاج پایا جاتا ہے۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

"....مازلنا نلعن أهل الرأی وهم یلعنوننا حتیٰ جاء الشافعی فمزج بیننا،،(۳۴)۔

کہ ہم (اصحاب حدیث) اہل رائے کو برا بھلا کہتے اور وہ ہمیں کہتے یہاں تک کہ امام شافعی نے آکر ہمارے درمیان امتزاج پیدا کیا۔مذہب شافعی میں مذہب اہل الرائے اور مدرسۃ الحدیث کا اس قدر اشتراک اور امتزاج پایا جاتا ہے کہ بعض محققین نے اس کو مساوی اور متوازن اشتراک قرار دیا(۳۵) جب کہ دیگر محققین کے نزدیک اشتراک کے باوجود مدرسۃ الرائے کی نسبت آپ مدرسۃ الحدیث کی طرف زیادہ مائل نظر آتے ہیں(۳۶)۔دونوں آراء کے لئے اپنی اپنی جگہ اگرچہ مؤیدات موجود ہیں تاہم آپ نے نہ اہل الرائے کا منہج پورے طور پر اپنایا اور نہ اہل حدیث کا۔آپ نے اہل عراق کے استحسان کا رد کیا جس طرح آپ تعامل اہل مدینہ کی تردید کرتے تھے۔اہل عراق کی تردید میں آپ کی تحریریں موجود ہیں۔تو تعامل اہل حجاز کی تردید میں بھی آپ ایک کتاب تحریر کر چکے ہیں۔اس اعتبار سے کہا جاسکتا ہے کہ مذہب شافعی میں دونوں مذاہب کا اشتراک مساوی ہے۔

دوسرے نقطۂ نظر کی تائید اس امر سے ہوتی ہے۔کہ مالکیوں کی طرح آپ کے متبعین کو بھی اہل الحدیث کہا جاتا ہے(۳۷)۔بلکہ اہل خراسان کی اصطلاح میں تو یہ رائج تھا کہ جب وہ علی الاطلاق اصحاب حدیث کہتے ہوتے تو اس سے وہ

شوافع مراد لیتے تھے(۳۸)۔

امام احمد بن حنبل کا قول نقل کیا گیا ہے:

" مـا أحد من أصحب الحديث حمل محبرة إلا و للشافعي عليه منة وسمعت الربيع ابن سـليـمان يقول مثل ذالک فقلنا يا أبا محمد كيف ذالک قال إن أصحاب الرأى كانوا يهزءون بأصحاب الحديث حتى علمهم الشافعي وأقام الحجةعليهم"(۳۹)۔

مدرسۃ العراق اور مدرسۃ الحجاز میں آپ کی مشارکت مساوات والی ہو یا ترجیح والی ہو۔آپ کی شخصیت علم وادب اور علماء کی دنیا میں ایک عبقری اور انوکھی حیثیت سے ظاہر ہوئی۔آپ کو دوسری صدی ہجری کا مجدد قرار دیا گیا۔آپ نے اپنی تصنیف ''الرسالۃ'' میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ انہوں نے حنفی اور مالکی مسلک کے اصول وفروع دیکھ کر اور ان کی تمام کلیات وجزئیات پر نظر کر کے از سرے نو اصول وقواعد کو مرتب کیا اور ان میں جہاں کمی پائی یا اجمال دیکھا اسے مکمل کر دیا(۴۰)۔

چنانچہ آپ مستقل بالذات مجتہد تھے۔دونوں مکاتب فکر سمیت مدرسۃ الشام اور مدرسۃ مصر سے استفادہ کیا اور امام مالک سے بالخصوص علمی تربیت پائی۔ان تمام مکاتب فکر سے بھرپور استفادہ کیا اور ان کے علمی احترام کا خیال رکھا۔ اسباب فتوی کے میسر ہونے کے باوجود استاد کی موجودگی میں مسند افتاء پر بیٹھنا گوارا نہ کیا۔اور امام ابوحنیفہ کے بارے میں تو آپ کا قول:

" الناس فى الفقه عيال على أبى حنيفة''(۴۰)۔

شہرت تک پہنچا ہے۔لیکن جہاں علمی امانت اور دیانت کا تقاضا ہوا دونوں پر علمی گرفت اور نقد بھی کی۔

امام شافعیؒ کے اصول استنباط

امام شافعی پہلے امام ہیں جنہوں نے اپنے اجتہادی اصول اور مجتہدات خود مرتب کئے۔آپ نے باقاعدہ طور پر اپنے مذہب کے قواعد بذات خود وضع کیے اور ایسی کئی کتابیں تصنیف کیں جو آپ کے منہج استنباط اور اجتہادی اسلوب کو واضح کرتی ہیں۔آپ نے پانچ مصادر یا اصول پر اپنے فقہی مذہب کی بنیاد رکھی۔اپنی کتاب ''الرسالۃ'' میں انہیں حلال اور حرام کا معیار قرار دیا:

" ليـس لأحـد أبـداً أن يقول فى شى حل أو حرم إلا من جهة العلم . وجهة العلم الخبر فى الكتاب أو السنة أو الا جماع أو القياس"(۴۱)۔

کسی شخص کے لئے کبھی بھی یہ جائز نہیں کہ کسی شے کہ بارے میں کہے کہ یہ حلال ہے یا حرام ہے۔الا یہ کہ علم کی بنیاد پر کہے اور علم کی بنیاد کتاب اللہ یا سنت کی خبر یا اجماع اور قیاس ہیں۔اپنی دوسری تالیف ''کتاب الام'' میں اس اجمال

کی تفصیل ان الفاظ میں کی:

''العلم طبقات شتیٰ: الأولی الکتاب أو السنة والثانیة الاجماع فیما لیس فیه کتاب ولا سنة، الثالثة أن یقول بعض أصحاب النبی صلی الله علیه وسلم و لا نعلم له مخالفا من الصحابة فی قوله، الرابعة اختلاف أصحاب النبی صلی الله علیه وسلم فی ذالک، الخامسة، القیاس علی بعض الطبقات''(۴۲)۔

علم کے مختلف طبقات (مصادر) ہیں۔ پہلا طبقہ کتاب اللہ یا سنت نبوی ﷺ ہے۔ دوسرا کتاب وسنت کی عدم موجودگی کی صورت میں اجماع ہے۔ تیسرا صحابیؓ کا قول جس کا کوئی مخالف قول موجود نہ ہو۔ چوتھا صحابہؓ کے اختلافی اقوال۔ پانچواں ان میں سے کسی طبقہ پر قیاس۔ امام شافعی نے اپنے اصول اجتہاد اپنی دو مصنفات ''الرسالہ'' اور ''الام'' میں بیان کیے ہیں۔ ان کی ترتیب یوں ہے:

۱۔ کتاب اللہ

امام شافعی سب سے پہلے کسی مسئلہ کا حکم معلوم کرنے کے لئے قرآن کریم سے استدلال کرتے ہیں۔ قرآن حکیم قطعی الثبوت اور تمام شرعی احکام وقوانین کا مصدر اول ہے۔ آپ کے نزدیک اس وقت تک قرآن کے ظاہر پر عمل اور اس سے استدلال ضروری ہے جب تک کوئی ایسی دلیل موجود نہ ہو جس کی بنیاد پر ظاہری معنی کو چھوڑ کر اس کا کوئی دوسرا مفہوم مراد لیا جائے۔ امام شافعی پہلے شخص ہیں جنہوں نے عموم کو تین اقسام میں تقسیم کیا۔ امام ابو ثور (متوفی ۲۴۰ھ) (۴۳) فرماتے ہیں۔ امام شافعی جب ہمارے پاس تشریف لائے تو کہا کرتے تھے کہ کبھی اللہ تعالیٰ عام ذکر کرتے ہیں اور خاص مراد ہوتا ہے اور کبھی خاص ذکر کرتے ہیں اور عام کا ارادہ کرتے ہیں۔ ہم اس سے پہلے ان اشیاء کو نہیں جانتے تھے (۴۴)۔

۲۔ سنت

تمام مجتہدین کے ہاں کتاب اللہ کے بعد سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شریعت اسلامیہ کے مصدر ثانی ہونے کی حیثیت حاصل ہے البتہ اسناد کے نقطہ ہائے نظر سے حدیث کی جو مختلف اقسام ہیں ان کے حوالہ سے مجتہدین کے آراء اور نقطہ ہائے نظر میں ضروری اختلافات واقع ہوئے ہیں۔ امام شافعی بھی کتاب اللہ کے بعد سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس کو مصدر تشریع قرار دیتے ہیں۔ البتہ وہ تشریعی نقطہ نظر سے قرآن وسنت کو ایک ہی مرتبہ میں رکھتے ہیں۔ حدیث کو اسی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور واجب الاتباع سمجھتے ہیں جس طرح قرآن حکیم کو دیکھتے ہیں۔ اس میں یقین وظن کا بھی فرق نہیں کرتے۔ حدیث کی اس تائید کی بناء پر علماء حدیث میں امام شافعی کو نہایت حسن قبول حاصل ہوا یہاں تک کہ آپ کو ''ناصر السنة'' کے نام سے موسوم کیا گیا (۴۵)۔

حدیث سے استدلال کے لئے امام شافعی یہ شرط لگاتے ہیں کہ حدیث متصل اور صحیح السند ہو اس کے بعد مزید

شرطیں نہیں لگاتے جب کہ احناف کے ہاں شرط ہے کہ راوی کا عمل روایت کے مخالف نہ ہو یا حدیث مشہور مضمون اور معنی کے اعتبار سے اس کی مؤید ہو۔ اور نہ امام مالک کی طرح یہ شرط لگاتے ہیں کہ اہل مدینہ کا عمل اس کے مطابق ہو (۴۶)۔

جس طرح کتاب اللہ کے بارے میں امام شافعی کا اصول یہ ہے کہ ظاہری معنی کو چھوڑ کر کوئی دوسرا مفہوم اختیار کرنے کی جب تک کوئی مضبوط دلیل نہ ہو، اس وقت تک ظاہری معنی مراد لیے جائیں گے۔ حدیث کے مصداق میں جب کئی معانی کا احتمال ہو تو وہ معنی مراد لینا اولی ہوگا جو ظاہر حدیث سے زیادہ قریب تر ہو۔

دو حدیث یا چند احادیث باہم متعارض ہوں تو آپ کا اصول یہ ہے کہ وہ حدیث لی جائے گی جس کی سند زیادہ صحیح ہو۔ اس کے راوی بلند پایہ اور محتاط ہوں۔ حنفی و مالکی فقہاء کے برخلاف امام شافعی حدیث منقطع سے استدلال نہیں کرتے (۴۷)۔

۳۔ اجماع

کتاب وسنت کے بعد تیسرے نمبر پر آپ اجماع کو مصدر تشریعی تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن آپ کے ہاں ہر جگہ اجماع ممکن نہیں کیونکہ آپ کے ہاں اجماع وہ معتبر ہے جو عہد رسالت کے بعد ایک عصر کے تمام فقہاء اور مجتہدین کا کسی حکم شرعی کے بارے میں ہو گویا صحت اجماع کے لئے تمام امت کا اتفاق ضروری ہے اور یہ وہاں ممکن ہے کہ کسی منصوص حکم پر اجماع ہو جیسا کہ تعداد رکعات، تحریم خمر وغیرہ۔ گویا ایسا اجماع تائید نص کے لئے ہوا ہے۔ غیر منصوص اجتہادی امر پر آپ کے ہاں اجماع اسلئے مشکل ہے کہ تمام مجتہدین کی آراء پر مطلع ہونا ممکن نہیں کیونکہ آپ تمام مجتہدین کے اتفاق سمیت مزید شرط یہ لگاتے ہیں کہ فقہائے عصر میں سے کسی کے اختلاف کا ہمیں علم نہ ہو (۴۸)۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کسی حکم پر تمام فقہاء کا اتفاق نہ ہو تو وہ ان کے نزدیک اجماع نہیں کہلائے گا اسی طرح اگر کسی ایک علاقے کے فقہاء اور مجتہدین کا کسی حکم شرعی پر اتفاق ہو تو وہ بھی امام شافعی کے نزدیک اجماع کے زمرے میں نہیں آئے گا۔ امام شافعی کے ہاں اجماع کے لئے تمام امت کا اتفاق اور کسی فقیہ کے اختلاف کا عدم علم ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اجماع کی ایک قسم اجماع سکوتی کو رد کیا (۴۹) اجماع سکوتی یہ ہے کہ مجتہدین میں سے کوئی مجتہد اپنے اجتہاد سے کسی ایک نتیجہ پر پہنچے اور کوئی ایک رائے قائم کرے اور وہ رائے اس کے اپنے دور میں معروف ہو۔ دوسرے فقہاء اور مجتہدین اس سے آگاہ ہوں لیکن اس کی مخالفت نہ کریں۔ احناف اجماع کی اس قسم کو بھی حجت اور شرعی احکام کے لئے مصدر تسلیم کرتے ہیں۔

آپ نے امام مالک پر حجیت اجماع اہل مدنیہ کے سلسلے میں سخت رد کیا ہے اسلئے کہ آپ کے ہاں صحت اجماع کے لئے عالم اسلام کے تمام علماء کا اتفاق ضروری ہے جو کہ اہل مدینہ کے اجماع میں مفقود ہے (۵۰) اجماع کے سلسلے میں آپ صحابہؓ کے اجماع کو مقدم رکھتے ہیں اور پھر عامۃ المسلمین کے اجماع کو درجہ دیتے ہیں لیکن عمومی طور پر اس کو سنت حتیٰ کہ آحاد پر بھی ترجیح نہیں دیتے ہیں (۵۱)۔

البتہ اجماع صحابہؓ کو خبر واحد کے مقابلے میں حجت مانتے ہیں اور ترجیح دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صحابہؓ کا اجماع خبر واحد سے بالاتر ہے۔ البتہ اجماع صحابہؓ نہ ہونے کی صورت میں خبر واحد پر عمل کیا جائے گا بشرطیکہ خبر واحد صحیح الاسناد ہو۔

۴۔ قول صحابیؓ

امام شافعیؒ کے نزدیک اقوال صحابہ کا مرتبہ کتاب وسنت اور اجماع کے بعد ہے لیکن قیاس پر مقدم ہے۔ اگر صحابیؓ کے قول کے مخالف کسی دوسرے صحابیؓ کا قول موجود نہ ہو تو اس کو لیا جائے گا۔ اگر کسی مسئلے میں صحابہؓ کے مختلف اقوال ہوں تو اس صحابیؓ کا قول اختیار کیا جائے گا جو قرآن وسنت یا قیاس صحیح کے موافق ہوگا۔ اس صورت میں آپ صحابہؓ کے اقوال سے باہر نہیں نکلتے، قول صحابی کو قیاس پر مقدم سمجھتے ہیں۔ آپ بار بار فرمایا کرتے تھے کہ صحابیؓ کی رائے ہماری رائے سے بہتر ہے اس لئے کہ وہ ہم سے ورع وتقوٰی میں افضل اور اجتہاد میں زیادہ علم والے تھے، جس بات پر ان کا اتفاق ہو وہ اجماع ہے اور جس میں اختلاف ہو، تو وہ قول ہم اختیار کریں گے جو قرآن وسنت اور اجماع کے زیادہ قریب ہو (۵۲)۔

جہاں صحابہ کے اقوال مختلف ہوں اور یہ معلوم نہ ہو سکے کہ کون سا قول کتاب وسنت سے زیادہ قریب ہے تو آپ خلفاء راشدین کے اقوال کو لیتے اور ان کو دوسرے اقوال پر ترجیح دیتے ہیں ورنہ قیاس سے استدلال کرتے ہیں (۵۳)۔

۵۔ قیاس

کتاب وسنت اور اجماع سے بھی جب کسی مسئلے میں کوئی راہنمائی نہیں ملتی تو امام شافعی پانچویں نمبر پر قیاس سے کام لیتے ہیں۔ امام شافعی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے رائے صحیح اور غیر صحیح کے درمیان حد بندی کردی۔ ان سے پہلے مجتہدین نے ایسے مسائل کا حکم معلوم کرنے کیلئے قیاس سے کام لیا ہے جہاں کتاب وسنت اور اجماع امت نے کسی حکم کی نشاندھی نہیں کی۔ لیکن امام شافعی سے پہلے اس کے بنیادی اور تفصیلی قواعد وضوابط مرتب نہیں کیے گئے تھے انہوں نے اس باب میں باضابطہ طور پر قواعد وضع کیے استاد ابوزہرہ کہتے ہیں۔

" فرسم حدود القياس ورتب مراتبه وقوة الفقه الماخوذ عن القياس بالسنة للفقه الماخوذ عن النص ثم بين الشروط التي يحب توافرها في الفقيه الذى يقيس "(۵۴)۔

قیاس کی حدود کا تعین کیا اس کے مراتب کو بیان کیا اور بتایا کہ قیاس کا عمل کس حد تک جائز ہے۔ اور یہ بھی بتایا کہ وہ فقیہ جو قیاس کے ذریعے احکام کا استنباط کرتا ہے اسمیں کن شرائط کا ہونا ضروری ہے۔ انہوں نے قیاس کے باب میں امام مالک کی طرح تنگی اختیار کی ہے اور نہ اہل عراق یا فقہاء احناف کی طرح حد سے زیادہ توسع اختیار کیا ہے (۵۵) شاید یہی وجہ ہے کہ انہوں نے مالکیہ کے استصلاح کی طرح احناف و مالکیہ کے استحسان کی سختی سے تردید کی ہے۔ اور کتاب ابطال الاستحسان لکھی۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ جو استحسان کرتا ہے وہ شریعت وضع کرتا ہے۔ اپنے اس نظریے کی دلیل یوں دیتے تھے۔ کہ جب کوئی فقیہ قرآن وسنت اور اجماع وقیاس کے بعد استحسان سے حکم اخذ کرتا ہے تو یہ حکم مستحسن صرف اس معنی میں ہے کہ فقیہ ومجتہد نے اسے اچھا سمجھا ہے نہ کہ کتاب وسنت کی دلیل نے اسے اچھائی دی ہے۔ وہ یوں بھی کہتے تھے

کہ استحسان میں کتاب وسنت کی نص پر اعتماد نہیں ہوتا بلکہ مجتہد کی رائے پر اعتماد ہوتا ہے اور جس مسئلہ میں نص پر اعتماد نہ ہو وہ اجتہاد باطل ہے (۵۶)۔

حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں اگر چہ استحسان نصوص پر اضافہ یا ان سے باہر کوئی چیز نہیں بلکہ قیاس ظاہر یا قاعدہ عامہ کے مقابلے میں قرآن وسنت کی نص سے استدلال کا نام ہے یا قیاس مرجوح پر راجح قیاس کو ترجیح دینے کا نام ہے اور امام شافعی اس کے مخالف نہیں۔ لیکن ہوسکتا ہے امام شافعی کو استحسان کی حقیقت اس مفہوم میں نہ پہنچی ہو اسلئے انہوں نے خیال کیا کہ استحسان ایسی رائے کی بنیاد پر اجتہاد کا نام ہے جسکے لئے کوئی معین منہج اور مخصوص قواعد مقرر نہیں (۵۷)۔

فقہ شافعی کی کتب میں مصالح مرسلہ کو بھی مصادر فقہ میں شمار نہیں کیا گیا بلکہ اسکو رد کیا گیا ہے۔ لیکن تحقیق اور تلاش سے پتہ چلتا ہے کہ فقہ شافعی میں مصالح مرسلہ کو قیاس میں شمار کیا گیا ہے اور اسکو قیاس القواعد کا نام دیا گیا ہے۔ گویا امام شافعی کے ہاں قیاس کی دو قسمیں ہوئیں۔ قیاس فی الفروع، اور یہی دیگر ائمہ مجتہدین کے ہاں بھی رائج ہے۔ اور قیاس القواعد، یعنی کسی واقعہ کو ایسا حکم دینا جس پر شریعت کے عمومی قواعد متفق ہوں اور یہ مصالح مرسلہ ہی کا دوسرا عنوان یا تعبیر ہے (۵۸)۔

اگر اہل سنت کے دیگر تینوں فقہی مذاہب سے مذہب شافعی کا تقابلی جائزہ لیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ حنفی مذہب سے امام شافعیؒ نے تقریباً ستر (۷۰) فی صدی مسائل میں اختلاف کیا ہے۔ یہ اختلاف عبادات، معاملات غرض یہ کہ ہر فقہی شعبہ میں نظر آتا ہے۔ امام مالک کے مذہب سے امام شافعی نے تقریباً بیس (۲۰) فی صدی مسائل میں اختلاف کیا ہے۔ یہ اختلافات عبادات میں کم تر اور معاملات میں نمایاں ہیں۔ جب کہ مذہب حنبلی سے آپ کا بہت کم اختلاف دیکھنے میں آتا ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ امام احمد ابن حنبل، امام شافعی کے ممتاز شاگرد تھے۔ انہوں نے اپنے استاد امام شافعی کے معینہ اصولوں کو کلیتاً تسلیم کیا اور اس پر عمل پیرا رہے۔ انہوں نے ان اصولوں میں دو باتوں کا اضافہ یا بالفاظ دیگر امام شافعی کے منہج استنباط میں ترمیم کی۔ اول۔ ہمارے قیاس سے اقوال صحابہ بہتر ہیں۔ دوم۔ خبر واحد قابل عمل ہے (۵۹)۔

تاہم اس سب کچھ کے باوصف امام شافعی کے اجتہادی اسلوب اور فقہی مذہب پر اتباع سنت کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔ امام شافعی خود رقم طراز ہیں:

''اذا وجدتم فی کتابی خلافا لسنة رسول الله ﷺ فقولوا بها و دعوا ما قلته'' (۶۰)۔

اگر تم میری کتاب میں سنت رسول ﷺ کے خلاف کچھ پاؤ تو اس کی نشاندہی کرو اور میری بات کو چھوڑ دو۔

آپ کے شاگرد امام اسماعیل ابن یحییٰ المزنی (متوفی ۲۶۴ھ) فرماتے ہیں کہ امام شافعی نے فرمایا:

''اذا وجدتم سنة صحيحة فاتبعوها و لاتلتفتوا الى قول احد'' (۶۱)۔

اگر تمہیں سنۃ صحیحہ ملے تو اس کی اتباع کرو اور کسی کے قول کی طرف توجہ نہ دو۔

خلاصہ بحث

۱۔ ائمہ اربعہ میں امام شافعیؒ قریشی النسب ہیں اور ان کو بجا طور پر اصحاب حدیث اور اصحاب الرائے کے طریقہ اجتہاد کا جامع سمجھا جاتا ہے۔ انہوں نے حجاز، عراق سمیت یمن، شام اور مصر کے دبستان فقہ کو اپنے اجتہادی اسلوب میں سمو لیا ہے۔

۲۔ ابتداء میں امام شافعی فقہ مالکی کے متبع تھے۔ بغداد آمد اور یہاں کے فقہاء سے استفادہ کے نتیجے میں مخصوص فقہی مذہب کے بانی اور امام بنے جو ان کا عراقی مذہب یا مذہب قدیم کہلاتا ہے۔ بعد میں جب مصر میں مقیم ہوئے تو اپنے بعض اقوال سابقہ کو ترک کیا اور یہی ان کا مذہب مصری یا مذہب جدید کہلاتا ہے۔

۳۔ امام شافعیؒ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے مذہب کے اصول اور مجتہدات بذات خود مرتب کیے۔

۴۔ وہ کتاب، سنت، اجماع اور قیاس چاروں مصادر سے مسائل کا استنباط کرتے تاہم احناف کے استحسان اور مالکیوں کے مصالح مرسلہ کو بالعموم تسلیم نہیں کرتے تھے۔

حواشی وتعلیقات

۱۔ محمد یوسف موسیٰ: تاریخ الفقہ الإسلامی (قاہرہ دار الکتاب العربی، ۱۹۵۸ء) ص ۲۵۴۔

۲۔ حضرت علیؓ کے مذکورہ الفاظ امام ابوزہرہ نے ذکر کیے ہیں تاہم موطا میں اس روایت کے الفاظ یوں آئے ہیں: "اذا شرب سکر واذا سکر ھذی واذا ھذی افتری" امام مالک بن انس: الموطا، ط/۱، (دار النفائس الریاض، ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۷ء) کتاب الاشربہ، باب الحد فی الخمر ص ۵۱۸۔

۳۔ ابوزہرہ، محمد الشیخ: اصول الفقہ (مصر دار الفکر العربی ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۸ء) ص ۹۔

۴۔ فاروق حسن، ڈاکٹر: فن اصول فقہ کی تاریخ، (دار الإشاعت، اردو بازار لاہور، ۲۰۰۶ء) ص ۱۳۱۔

۵۔ ابن عبد البر ابوعمر یوسف الحافظ: الانتقاء فی فضائل الائمة الثلاثه الفقهاء (ط/ احلب، مکتبہ مطبوعات الاسلامیہ ۱۴۱۷ھ۔ ۱۹۹۷ء) ص ۱۱۶۔ نیز ملاحظہ کیجئے: السائیس، محمد علی: تاریخ الفقہ الإسلامی، (بیروت لبنان، دار الکتب العلمیة ط/ ۱، ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰ء) ص ۱۶۔

۶۔ الرازی، فخر الدین: مناقب الشافعی (طبع مصر۔ ۱۳۷۰ھ) ۳۲۹/۸ السائیس محمد علی، تاریخ الفقہ الاسلامی، ص ۱۱۸۔

۷۔ ابن عبد البر: الانتقاء فی فضائل الائمة الثلاثة الفقهاء ص ۱۲۰۔ نیز ملاحظہ کیجئے: خطیب بغدادی: تاریخ بغداد ۵۹/۳۔

۸۔ قبیلہ الہذیل: ہذیل بن مدرکہ کی طرف منسوب قریشی قبیلہ ہے، ہذیل بن مدرکہ کے دو بیٹے، سعد اور لحیان سے ان کی نسل آگے چلی دیکھئے: ابن حزم: جمهرة أنساب العرب ۸۸/۱۔

۹۔ الرازی، فخر الدین: مناقب الشافعی، ص ۶۹۔

۱۰۔ یاقوت الحموی: معجم الأدباء: (بیروت، لبنان، دار احیاء التراث العربی) ۳۷۵/۶۔ ترجمہ محمد بن ادریس، نیز ملاحظہ کیجئے۔ محمد علی السائیس: تاریخ الفقہ الاسلامی، ص ۱۱۸۔

۱۱۔ مسلم بن خالد الزنجی: آپ کا پورا نام مسلم بن خالد بن مسلم بن سعید القرشی المخزومی، اور الزنجی کے لقب سے مشہور تھے۔ انتہائی سُرخ رنگت کی وجہ سے الزنجی کے لقب سے ملقب تھے۔ تابعی اور کبار فقہاء میں سے تھے۔ اور اہل مکہ کے امام تھے۔ امام شافعی نے امام مالک سے پہلے آپ ہی سے تفقہ حاصل کیا۔ ۱۸۰ھ میں انتقال ہوا۔ دیکھئے: الذهبی: سیر أعلام النبلاء، ۱۷۶/۸؛ الزرکلی: الأعلام، ۲۲۲/۷۔

۱۲۔ سفیان بن عیینہ: آپ کا پورا نام ابو عبد اللہ سفیان بن عیینہ بن ابی عمران میمون الکوفی، المکی الہلالی ہے۔ ۱۰۷ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۸ھ میں مکہ میں آپ کا انتقال ہوا۔ امام اعمش، جریج، شعبہ اور محمد بن ادریس الشافعی نے آپ سے روایت کی۔ دیکھیے: ابن العماد، عبد الحی الحنبلی: شذرات الذهب فی أخبار من ذهب (ط/ جدید، بیروت، دار احیاء التراث العربی) ۳۵۴/۱۔

۱۳۔ ابن عبد البر: الانتقاء فی فضائل ائمة الثلاثة الفقهاء، ص ۱۱۸۔

۱۴۔ عمرو بن ابی سلمہ آپ اصلاً دمشق کے تھے۔ تنیس میں سکونت اختیار کی اس لئے ابوحفص التنیسی کے نام سے مشہور ہوئے۔ امام اوزاعی اور اس طبقے کے دوسرے ائمہ سے روایت کی۔ ۲۱۴ھ میں انتقال ہوا۔ دیکھیے: العسقلانی: تہذیب التہذیب، ۴۳/۸؛ الذہبی أحمد بن عثمان: سیر أعلام النبلاء، تحقیق: شعیب الارناؤط و حسین الاسد، ط/ موسسة الرسالة بیروت، ۱۴۰۲ھ، ۹۶/۳۔

۱۵۔ لیث بن سعد: آپ کا پورا نام ابوالحارث لیث بن سعد بن عبدالرحمٰن ہے۔ ماہِ شعبان ۹۴ھ میں قاہرہ کے قریب ایک بستی قلقشندہ میں پیدا ہوئے۔ اپنے وقت میں اہلِ مصر کے امام تھے۔ امام شافعی نے آپ کے بارے میں کہا: "اللیث افقه من مالک الا ان اصحابه لم یقوموا به" ماہ شعبان ۱۷۵ھ کو مصر میں انتقال ہوا۔ دیکھیے: ابن خلکان، ابوالعباس شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر :وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان، تحقیق: دکتور احسان عباس، بیروت دار الصادر، ۱۲۸/۴۔۱۲۹؛ الذہبی، محمد بن احمد بن عثمان، شمس الدین الامام: تذکرہ الحفاظ (ط/۱، بیروت، لبنان، دار الکتب العلمیة ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء) ۱۶۵/۱۔

۱۶۔ یحییٰ بن حسان: آپ کا پورا نام ابوزکریا یحییٰ بن حسان بن حیان البکری التنیسی ہے۔ ۱۴۴ھ میں پیدا ہوئے۔ امام لیث بن سعد، مالک بن انس اور اس طبقہ کے ائمہ سے روایت کی اور امام شافعی، عبداللہ بن عبدالرحمٰن الداری، ربیع المرادی اور یونس بن عبدالاعلی وغیرہ نے آپ سے روایت کی۔ ۲۰۸ھ میں انتقال ہوا۔ دیکھیے: العسقلانی، احمد بن حجر الحافظ: تہذیب التہذیب ط/۲ (بیروت، دار احیاء التراث العربی ۱۴۱۳ھ ۱۹۹۳ء) ۱۹۷/۱۱؛ الذہبی أحمد بن عثمان: سیر أعلام النبلاء، تحقیق: شعیب الارناؤوط و حسین الاسد، ط/ موسسة الرسالة بیروت، ۱۴۰۲ھ، ۱۲۹/۱۰۔

۱۷۔ السائیس: تاریخ الفقہ الاسلامی، ص ۱۱۸۔ نیز امام شافعی کی گرفتاری اور رہائی کی تفصیل کے لئے۔ دیکھیے: رئیس احمد جعفری: سیرتِ ائمہ اربعہ، کراچی، لاہور، حیدرآباد شیخ غلام اینڈ سنز، ص ۳۳۰۔۳۳۳۔

۱۸۔ ابن عبد البر: الا نتقاء فی فضائل ائمة الثلاثة الفقهاء طبع اولی حلب مکتبہ مطبوعات الاسلامیہ ۱۴۱۷ھ، ص ۱۱۹۔

۱۹۔ خطیب بغدادی: تاریخ بغداد ۶۴/۲؛ ابن عبدالبر: الانتقاء فی فضائل الائمة الثلاثة الفقهاء، ص ۱۳۱

۲۰۔ مصطفیٰ الشکعة الدکتور: الائمہ الاربعہ، طبع رابع بیروت دار الکتاب اللبنانی ۱۹۹۸ء، ص۔ ۲۵۔ (ترجمہ الامام الشافعی)۔

۲۱۔ یاقوت الحموی: معجم الأدباء: (بیروت، لبنان، دار احیاء التراث العربی) ۳۰۰/۱۷ (ترجمہ محمد بن ادریس)

۲۲۔ خطیب بغدادی، ابوبکر احمد بن علی: تاریخ بغداد بیروت دار الکتاب العربی، ۶۴/۲؛ ابن عبدالبر: الانتقاء فی فضائل الائمة الثلاثة الفقهاء، ص، ۱۳۱۔

۲۳۔ یہ قول عبداللہ بن محمد بن ہارون الغریانی کا ہے جسے علامہ الحموی نے نقل کیا ہے۔ دیکھئے: معجم الادباء ص ۳۹۲/۶۔

۲۴۔ عبدالرحمٰن بن مہدی: آپ کا پورا نام ابوسعید عبدالرحمٰن بن مہدی بن حسان بن العنبری، اللؤلؤی البصری ہے۔ ۱۳۵ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے۔ بصرہ کے کبار حفاظ حدیث میں سے تھے۔ امام شافعی نے آپ کے بارے میں کہا: "لا اعرف لہ نظیرا فی الدنیا" ۱۹۸ھ میں بصرہ ہی میں انتقال ہوا۔ الإصفهانی: حلیة الأولیاو طبقات الاصفیاء، دار الکتاب العربی، ۱۴۰۰ھ، ۳/۹؛ الزرکلی، خیر الدین: الأعلام، دار العلم للملایین ۱۱۔

۲۵۔ ۳۰۳۔ خطیب بغدادی: تاریخ بغداد، ۶۸/۲۔

۲۶۔ حسین حامد حسان، الدکتور: المدخل لدراسة الفقہ الاسلامی: (قاهره مکتبة المثنی) ص۔ ۱۰۴، نیز ملاحظہ کیجئے۔ زیدان، عبدالکریم، دکتور، المدخل لدراسة الشریعه الا سلامیه، ط/۶، مکتبة القدس موسہ الرسالہ) ص ۱۶۸۔

۲۷۔ عبداللہ بن عبدالحکم: آپ کا پورا نام عبداللہ بن عبدالحکم بن اعین بن اللیث تھا۔ مصری فقیہ اور امام مالک کے اجلہ تلامذہ میں سے تھے۔ مصر میں امام شافعیؒ آپ کے ہاں فروکش رہے۔ اور آپ ہی کے ہاں امام شافعیؒ کا انتقال ہوا۔ ۲۱۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

دیکھیے: ابن فرحون: الدیباج المذہب فی معرفۃ اعیان المذہب (ط/۱، دار الکتب العلمیۃ بیروت، لبنان، ۱۴۱۷ھ ۱۹۹۶ء) ص ۳۳۷؛ یحییٰ مراد، دکتور: معجم تراجم أعلام الفقهاء (ط/۱، دار الکتب العلمیۃ بیروت، لبنان، ۱۴۲۵ھ ۲۰۰۴ء)، ص ۲۰۲۔

۲۸۔ حسین حامد حیان الدکتور: المدخل لد راسة الفقه الاسلامی، ص ۱۰۵۔

۲۹۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۶۰/۲۔ الحموی: معجم الأ دباء، ۶ / ۳۸۳۔

۳۰۔ العسقلانی، ابن حجر: توالی التاسیس بمعالی محمدبن ادریس (مصر، مطبعه امیر یه ببولاق ۱۳۰۱ھ) ص ۵۹۔

۳۱۔ ابن کثیر عماد الدین اسماعیل بن عمر، البداية و النهاية (قاہرۃ مطبع السعادۃ) ۱۳۵۱ھ) ۲۵۲/۱۰؛ النووی: المجموع شرح المهذب ۔ ۷/۱ نیز ملاحظہ کیجئے: حسین حامد حسان: المدخل لدراسۃ الفقہ الاسلامی ص ۱۰۵، زیدان، عبدالکریم: المدخل لدراسته الشريعة الا سلاميه، ص ۱۲۸۔

۳۲۔ ابن خلدون: مقدمہ (ط/ا بیروت، لبنان، مؤسسه الکتب الشقافيه و مكة المكرمة، المكتبه التجاريه ۱۴۱۴ھ) ۱۳/۲۔

۳۳۔ العسقلانی، ابن حجر: توالی التاسیس بمعالی محمدبن ادریس (مصر، مطبعہ امیریہ ببولاق ۱۳۰۱ھ) ص ۵۴۔

۳۴۔ قاضی عیاض: ترتیب المدارک وتقریب المسالک لمعرفة مذهب مالک، دار بکتبة الفکر، طرابلس لیبیا، ۹۱/۱، ۱۸۱/۳۔

۳۵۔ یہ رائے شیخ ابوزہرہ مصری کی ہے ملاحظہ کیجئے: الشافعی حیاته و عصره و آراء ه وفقهه، دار الآفاق الجدیده، ۱۹۵۸ء، ص ۱۱۔

۳۶۔ الشر باصی، احمد، دکتور: الائمه الاربعة، بغداد مطبعة الارشاد، ص ۱۵۰۔

۳۷۔ السبکی: تاج الدین، طبقات الشافعية الكبریٰ (القاهره، الطبعة الهينيه ۱۳۲۴ھ) ۲۸۵/۳

۳۸۔ السبکی: طبقات الشافعية الكبرى، ۲۸۵/۳۔

۳۹۔ امام احمد بن حنبل کا یہ قول حافظ ابن عبدالبر نے نقل کیا۔ دیکھئے: الا نتقاء فی فضائل ائمة الثلاثة الفقهاء، ص ۱۲۹۔

۴۰۔ الشافعی، محمد بن ادریس،: الرسالہ، دار الفکر بیروت، ص ۶۸۔

۴۱۔ الشافعی: الرسالہ، ص ۳۹۔ ۵۸۔

۴۲۔ الشافعی: کتاب الأم، طبع ثانیہ، دار الفکر ۱۴۰۳ھ ۱۹۸۳ء، ۳۴۶/۷۔ ابوزہرہ: تاریخ المذاہب الاسلامیہ۔ ص ۴۶۶؛ ابن قیم: اعلام الموقعین، طبع ۱۹۸۲، بیروت دار الجیل للنشر، ۱۷۹/۳۔

۴۳۔ ابوثور: آپ کا پورا نام ابراہیم بن خالد بن ابی الیمان الکلبی اور کنیت ابوثور تھی۔ سفیان بن عیینہ اور امام شافعی سے استفادہ کیا جبکہ امام ابو داؤد اور امام مسلم نے آپ سے استفادہ کیا۔ ۲۴۰ھ میں انتقال ہوا۔ دیکھئے: خطیب بغدادی: تاریخ بغداد، ۶۵/۶؛ العسقلانی: تهذيب التهذيب، ۱۱۸/۱؛ الذہبی: تذکرۃ الحفاظ، ۸۷/۲۔

۴۴۔ مصطفی الشکعته، دکتور: الائمة الاربعة ص ۱۲۱، ۱۲۳۔ نیز ملاحظہ کیجئے سعد جبالی عبد الرحيم: المدخل

لدراسته الفقه الا سلامی (ط۱۹۹۰) ص۲۲۴۔

۴۵۔ خطیب بغدادی: تاریخ بغداد، ۶۸/۲۔ نیز ملاحظہ کیجئے حسین حامد حسان: المدخل لدراسة الفقه الاسلامی، ص ۱۰۶، ۱۰۷۔

۴۶۔ حسین حامد حسان: المدخل لدراسۃ الفقہ الاسلامی، ص ۱۰۶۔ نیز ملاحظہ کیجئے: زیدان، عبدالکریم: المدخل لدراسة الشریعه الاسلامی، ص ۱۲۹۔

۴۷۔ حسین حامد حسان: المدخل لدراسة االفقه الاسلامی، ص ۱۲۹۔

۴۸۔ العروسی: محمد تاج عبد الرحمن، دکتور: الفقه الإسلامی فی میزان التاریخ (ط/۱، ۲۰۰۳م) ص ۱۹۲۔

۴۹۔ الشافعی: الأم، ۱۴۴/۷۔

۵۰۔ العروسی: الفقه الاسلامی فی میز ان التاریخ، ص ۱۹۲۔

۵۱۔ سعد جبالی عبدالرحیم: المدخل لدراسه الفقه الاسلامی، ص ۲۸۵۔

۵۲۔ العروسی: الفقه الاسلامی فی میزان التاریخ، ص ۱۹۲۔

۵۳۔ زیدان، عبدالکریم: المدخل لدراسة الشریعة الاسلامیة، ص ۱۲۹، ابوزہرہ: الامام الشافعی: ص ۴۵ و مابعد۔

۵۴۔ ابوزهرة: الامام الشافعی، ص ۲۶۷۔

۵۵۔ محمد یوسف موسی: المدخل لدراسته الفقه الاسلامی، ص ۱۵۳۔

۵۶۔ العروسی: الفقه الاسلامی فی میزان التاریخ، ص ۱۹۳۔ حسین حامد حسان: المدخل لدراسۃ الفقہ الاسلامی، ص ۱۰۷۔

۵۷۔ حسین حامد حسان: المدخل لدراسته الفقه الا سلامی، ص ۱۰۸۔

۵۸۔ ایضاً۔

۵۹۔ رئیس احمد جعفری: سیرتِ ائمہ اربعہ، ص ۲۸۰۔۲۸۱۔

۶۰۔ مصطفی، محمد آفندی، کتاب الجواهر النفیس فی تاریخ حیاة الامام محمد بن ادریس، المطبعه الحسینیة المصریة ۱۳۲۶ھ۔ ۱۹۰۸ء ص ۳۔

۶۱۔ العسقلانی، ابن حجر: توالی التاسیس بمعالی محمدبن ادریس. (مصر، مطبعه امیر یه ببولاق ۱۳۰۱ھ) ص ۶۳۔